جدید دور میں امتِ مسلمہ کی ذمہ داری — عید کا ایک پیغام

مولانا محمد تقی امینی ناظم دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

(یہ مقالہ عید الفطر کے موقع پر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں پڑھا گیا)

(اللہ اکبر اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ و اللہ اکبر اللہ اکبر و للہ الحمد)

حضرات! آج عید کا دن ہے۔ زمین والے جس دن کو عید کہتے ہیں آسمان والے اس کا نام "یوم الجائزہ" رکھتے ہیں۔

عربی زبان میں "جائزہ" کے معنی اس انعام اور عطیہ کے ہیں جو اعزازی طور پر دیا جاتا ہے نام کی مناسبت سے جی چاہتا ہے کہ اپنی زبان کے "چند جائزے" پیش کیے جائیں۔

امتِ مسلمہ جو اپنی تاریخی روایتوں کے ساتھ نہایت باوقار طریقے پر آج عید منا رہی ہے۔ اس کی حیثیت ایک ایسے مریض کی ہے جس کے آثارِ صحت نمایاں ہیں لیکن ضعف و انحطاط بھی کافی موجود ہے۔

جب کوئی مریض رو بصحت ہوتا ہے تو صرف دواؤں سے کام نہیں چلتا بلکہ موسم و حالت کے مطابق غذا کی بھی ضرورت ہوتی ہے اگر اس کو مناسب غذا نہ پہنچائی گئی تو نقاہت کی وجہ سے مزاج میں چڑچڑاپن پیدا ہو جائے گا۔ پھر اندیشہ ہے کہ مضر چیزیں استعمال کرنے لگے اور دوا پینے سے بھی انکار کر دے۔

امتِ مسلمہ رو بصحت ہو کر جس زمانہ میں قدم رکھ رہی ہے وہ اس زمانہ سے یقیناً مختلف ہے جس کی باگ دوڑ خود اس نے سنبھالی تھی۔

یہ سائنس و ٹیکنالوجی کا زمانہ ہے جس کے خیالات و احساسات تقاضے و مطالبے زندہ رہنے کے ساز و سامان اور قوت و طاقت کے توازن وغیرہ سب قدیم زمانہ سے مختلف ہیں۔ انسان نے اس زمانہ میں بڑے کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں۔ مثلاً پہاڑوں کی چھاتیوں کو روندا، سمندر کی سطحوں کو پامال کیا، ستاروں کی گذرگاہوں تک پہنچا۔ سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا، چاند کی دھرتی پر قدم رکھا اور نامعلوم کتنے ناممکن اور لاینحل کو حل کر دکھایا۔

انسان کی دیرینہ خواہش یہ رہی ہے کہ وہ قید و بند سے آزاد ہو کر اپنی زندگی کے مسائل حل کرے لیکن خاندان، رسم و رواج اور مذہب کی مختلف بندشوں کی وجہ سے اس کی یہ خواہش پوری نہ ہو سکی۔

اس زمانہ کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس نے انسان کی یہ دیرینہ خواہش پوری کی۔ اب وہ آزاد ہے ہر طرح آزاد؛

لیکن حیرت کی بات ہے کہ انسانی زندگی کے مسائل اس آزادی اور دیرینہ خواہش پوری ہونے کے بعد بھی نہ حل ہو سکے بلکہ مبصرین کا خیال ہے کہ اور زیادہ الجھ گئے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جس آئینہ کے ذریعہ اس نے کائنات کا مشاہدہ کیا ہے اس میں انسان کا صحیح عکس نہ نظر آیا ورنہ اس کے مسائل بھی بڑی حد تک حل ہو گئے ہوتے۔

اپنے مسائل کے بارے میں انسان کی بے بسی کسی ایک گوشہ میں محدود نہیں ہے کہ جس کو نظر انداز کر دیا جائے بلکہ نفسیات، اجتماعیات اور عمرانیات وغیرہ کے نہ معلوم کتنے گوشے ایسے ہیں جن تک اس کی رسائی نہیں ہو سکی اور حد تو یہ ہے کہ

جس انسان نے اسٹیم کی طاقت سے ساری دنیا میں رسل و رسائل کا جال بچھا دیا وہ اپنے اندر کی اسٹیم (جذبات) پر قابو پانے کی تدبیر نہ کر سکا۔ جس انسان نے مشینی طاقت کے ذریعہ انسانی صلاحیتوں کو غلام بنا لیا وہ جذبات کو عقل کا غلام بنانے کے لیے کوئی مشین نہ ایجاد کر سکا جس انسان نے مثبت "POSITIVE"

ومنفی " NAGATIVE " تارکی دریافت سے ساری دنیا کو بقعۂ نور بنا دیا اور وہ اپنے اندر کے مثبت ومنفی تار کو سمجھ کر اس میں روشنی نہ پیدا کر سکا۔

جس انسان نے اٹیمک (ATAMIC) اور نیوکلیر (NUCLEAR) طاقت کے ذریعہ چشم زدن میں ساری دنیا کی تباہی و بربادی کا سامان کر لیا وہ اپنے نیوکلیس (NUCLEUS) (روح) کو سمجھنے میں کامیاب نہ ہو سکا جس کے ذریعہ یہ بربادی کا سامان آبادکاری میں استعمال ہو سکتا۔

اپنے بارے میں انسان کی اس بے بسی سے ظاہر ہے کہ کائنات کی عکاسی کے لیے اس نے جو آئینہ تیار کیا ہے اس سے اس کا کام نہ چل سکے گا بلکہ اس کے لیے ایک اور آئینہ درکار ہے جس میں کائنات کا عکس نظر آئے نہ آئے لیکن انسان کا صحیح عکس اس میں ضرور ہو۔.....

اس آئینہ میں جب تک اس کو دیکھا نہ جائے گا اس کی اصلیت کا پتہ نہ چل سکے گا جس کے بغیر زندگی کے مسائل حل ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

مذہب کی تاریخ بتاتی ہے کہ یہ "آئینہ" سب کو ملا تھا۔ لیکن اس حقیقت سے غالباً کسی کو انکار نہیں کہ سب نے اس کو کھو دیا۔ یا اس حد تک دھندلا کر دیا کہ اب صحیح عکس اس میں نہیں نظر آتا۔

امت مسلمہ جو اس وقت ہماری مخاطب ہے اس لحاظ سے بڑی خوش قسمت ہے کہ اسکے پاس اصلی شکل میں یہ "آئینہ" موجود ہے جس کے صلہ ہی میں جشن عید منایا جاتا ہے

اس آئینہ میں انسان کا جو عکس ہے اس میں اصلیت "نورانی" ہے۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں ہے:

فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیھا۔ [1] اللہ کی وہ فطرت جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

---

[1] سورۃ روم رکوع ۴

کل مولود یولد علی الفطرۃ فابواہ یہودانہ او ینصرانہ او یمجسانہ[1]
ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے والدین اس کو یہودی نصرانی اور مجوسی بنا ڈالتے ہیں۔

فطرت سے مراد ان کا وہ نیچرل کانسٹی ٹیوشن NATURAL CONSTITUTION ہے جس پر پیدائش کے ابتدائی مرحلہ میں روحانی لحاظ سے بنایا جاتا ہے۔

یہ فطرت یا انسان کا روحانی نیچرل کانسٹی ٹیوشن مادہ کے عمل ورد عمل کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ اسکا سرچشمہ ماورائے مادہ ہے۔ قرآن حکیم کہتا ہے:

فاذا سوّیتہ ونفخت فیہ من روحی فقعوا لہ ساجدین[2]
پھر جب میں انسان کو درست کرلوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو تم (فرشتے) سجدہ میں گر پڑو۔

دوسری جگہ ہے:

ثم سوّٰہ ونفخ فیہ من روحہ وجعل لکم السمع والابصار والافئدۃ[3]
پھر اللہ نے انسان کو درست کیا اور اس میں اپنی روح پھونک دی اور تمہارے لیے کان آنکھ اور دل بنایا

ایک حدیث قدسی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

لا اجعل من خلقتہ بیدی ونفخت فیہ من روحی کمن قلت لہ کن فکان[4]
جس مخلوق کو میں نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور اس میں اپنی روح پھونکی اس کو ان مخلوقات کے برابر نہ کروں گا جن کے لیے میں نے لفظ "کن" کہا اور وہ وجود میں آگئیں

روح سے مراد ظاہر ہے کہ یہاں روح ہوائی نہیں ہے جس سے اطباء بحث کرتے ہیں بلکہ روح قدسی ہے جس کے بارے میں شاہ ولی اللہؒ کہتے ہیں۔

---

[1] بخاری ومسلم ومشکوٰۃ کتاب القدر
[2] سورہ حجر رکوع ۱
[3] سورہ سجدہ رکوع ۱
[4] مشکوٰۃ باب بدء الخلق

هي كوة من عالم القدس[1] وہ عالم قدس کی جانب ایک طاقچہ (کھڑکی) ہے

یہ روح تمام تر ماورائی (غیر مادی) ہے جس کا خزانہ بھی ماورائی ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

الارواح جنود مجندة فما تعارف منها ائتلف وما تناكر منها اختلف[2] روحوں کی ایک مرتب فوج ہے ان میں جو باہمی مناسبت رکھتی ہیں وہ مل جاتی ہیں اور جن میں یہ مناسبت نہیں ہوتی وہ الگ ہوجاتی ہیں۔

جس طرح بجلی کا اصل سرچشمہ "پاور ہاؤس" ہے اور اس سرچشمہ سے نکل کر سپلائی اسٹیشن "TRANS FARMA" میں بجلی جمع ہوتی ہے اور پھر وہاں سے "تار" کے ذریعہ سپلائی ہوتی ہے اسی طرح ماورائی حقیقت (روح قدسی) کا سرچشمہ ذات باری تعالیٰ ہے (من روحه کی نسبت میں اسی طرف اشارہ ہے) لیکن بے شمار روحیں اپنے سرچشمہ سے نکل کر درمیانی مخزن (سپلائی اسٹیشن) میں جمع ہوتی ہیں (الارواح جنود مجندة) میں اسی طرف اشارہ ہے) اور پھر "تار" (کنکشن) کے ذریعہ ہر انسان کو سپلائی ہوتی ہے۔

روح انسانی میں دراصل ہوائی و قدسی دونوں کی آمیزش ہے جس کی تائید روح سے متعلق سوال وجواب کی اس آیت سے ہوتی ہے۔

ويسئلونك عن الروح قل الروح من أمر ربي وما أوتيتم من العلم الا قليلاً[3] لوگ آپ سے روح کے بارے میں سوال کرتے ہیں آپ کہہ دیجئے کہ "روح" میرے رب کے امر سے ہے اور تمہیں تھوڑا علم دیا گیا ہے۔

یعنی روح انسانی میں کچھ ماورائی حقیقت (روح قدس جس کو امر رب سے تعبیر کیا گیا ہے) کی

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ باب حقیقۃ الروح [2] مسلم کتاب البر والصلہ
[3] سورہ بنی اسرائیل رکوع ۱۰-

آمیزش ہے جس کے ادراک کے لیے ہمارا سرمایہ علم ناکافی ہے۔

عربی قاعدہ کے مطابق اس صورت میں "من" تبعیضیہ (بعض کے معنی میں) ماننا پڑے گا لیکن اس سے معنی و مفہوم میں کوئی خرابی نہیں پیدا ہوتی جیسا کہ روح المعانی میں ہے۔

من امر ربی - کلمۃ من تبعیضیۃ وقیل بیانیۃ [1] "من امر ربی" میں کلمہ من تبعیضیہ (بعض کے معنی میں) ہے اور بعض نے بیانیہ کہا ہے۔

ماورائی حقیقت کی آمیزش کے بعد روح انسانی کو یہ خصوصیات حاصل ہوتی ہیں۔

(۱) روح کی حیثیت ایک مدبر فرمانروا کی ہو جاتی ہے جب کہ عقل و قلب کی حیثیت وزیر کی ہو جاتی ہے۔

(۲) مادیت میں روح کے تصرفات ظاہری اسباب کے محتاج نہیں رہتے ہیں۔

(۳) بعض روحوں کی طاقت سے ایسے حیرت انگیز کارنامے انجام پاتے ہیں کہ مادی دنیا اس کے سمجھنے سے عاجز رہتی ہے۔

(۴) ماورائے مادہ پرواز کے لیے کھڑکی کا کام دیتی ہے۔

(۵) ماوراء الوریٰ سے ربط و تعلق پیدا ہوتا ہے اور جس قدر اس ربط و تعلق میں اضافہ ہوتا ہے اسی نسبت سے روح کی طاقت میں اضافہ ہوتا ہے۔ چنانچہ انبیا علیہم السلام کی روحیں سب سے زیادہ قوی ہوتی ہیں۔ پھر ان کی جن کو روحانی لحاظ سے زیادہ قرب حاصل ہوتا ہے۔

تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے صرف اس قدر عرض کرنا ہے کہ جب تک انسان کی "اصلیت" سامنے نہ ہوگی اس وقت تک سوچنے سمجھنے کے دائرے اخلاق و کردار کا معیار کرنے نہ کرنے کی باتوں کھانے نہ کھانے کی چیزوں کا تعین نہ ہو سکے گا۔ ظاہر ہے کہ ان چیزوں کے تعین کے بغیر انسانی زندگی کے مسائل کیوں کر حل ہو سکتے ہیں؟

---

[1] روح المعانی ج ۱۵ بنی اسرائیل۔

سائنس و ٹیکنالوجی کے زمانہ میں انسان کی اس بے بسی کو دیکھتے ہوئے امت مسلمہ کی دہری ذمہ داری ہے۔

(۱) خود اپنی رہنمائی اور

(۲) جدید زمانہ کی رہنمائی۔

اپنی رہنمائی کے لیے دو باتوں کی شدید ضرورت ہے۔

(۱) نبض شناسی اور

(۲) زمانہ شناسی

۱۔ نبض شناسی یہ ہے کہ رو بصحت امت مسلمہ کی نفسیاتی حالت اور مزاجی کیفیت سے واقفیت ہو۔ نیز یہ معلوم ہو کہ اس وقت کن جذبات کو ابھارنے کن کو دبانے اور کن سے نظر بچا کر نکل جانے کی ضرورت ہے۔ دوسرے لفظوں میں اس موقع کی رہنمائی کے لیے ماہر طبیب کی ضرورت ہے جو قومی اور جماعتی زندگی کا رمز شناس ہو۔ صرف عطار سے کام نہ چلے گا جس کو دواؤں کے طریق استعمال اور محل استعمال سے کچھ سروکار نہیں ہوتا۔

اگر ماہر طبیب نہ میسر آسکے یا ان کو کام کا موقع نہ مل سکا تو عطاروں کی رہنمائی کا نتیجہ یہ ہوگا کہ امت کو جب قیام کی ضرورت ہوگی تو وہ سجدہ میں جا گرے گی۔ سجدہ میں گرنا کوئی کمتر درجہ کی بات نہیں بلکہ نہایت اعلیٰ درجہ کی بات ہے لیکن اگر قیام و رکوع سے پہلے کوئی نمازی سجدہ میں چلا جائے تو کوئی مفتی نماز کے جواز کا فتویٰ نہ دے سکے گا۔

ہر شے کی اہمیت اس کے محل میں ہوتی ہے۔ اگر محل بدل گیا تو نہ صرف یہ کہ اس کی اہمیت ختم ہو جاتی ہے بلکہ غیر محل میں ہونے کی وجہ سے اس کی صحت کی ضمانت نہیں رہتی۔

اس امت کی جان میں جان روحانیت کے بغیر نہیں آسکتی اس لیے اس کی طرف خصوصی توجہ کی ضرورت ہے لیکن اس کے نام پر کام سے جی چرانے اور جد و جہد سے گریز کی اجازت نہ دی جائے گی۔ نیز ہر اس طریقہ سے روکا جائے گا جس سے اقدام کے بجائے زندگی جمود و تعطل

کا شکار ہو۔

زمانہ شناسی یہ ہے کہ زمانہ کی کروٹوں اور اس کے بے رحم ہاتھوں سے واقفیت ہو اور یہ معلوم ہو کہ فطرت ہر گوشہ میں کاٹ چھانٹ کرتی اور خوب سے خوب تر شئی کو فٹ کرتی رہتی ہے۔ جب ایک شئے کسی جگہ فٹ کر دی گئی تو کمتر شئے کے لیے وہ جگہ نہ چھوڑے گی۔

اس اصول کے مطابق اب نہ قرون وسطی کا دور واپس آئے گا اور نہ تعلیمی و تنظیمی ترقیات میں زمانہ ہماری خاطر پیچھے کی طرف لوٹے گا۔ اگر زندہ رہنا ہے تو اس زمانہ کی ترقیاتی چیزوں کو قبول کرنا ناگزیر ہے۔ البتہ ان کی وجہ سے جو اخلاقی تبدیلیاں ہوئی ہیں ان سے بچنا لازمی ہے۔

یہ خیال غلط ہے کہ جب جدید ترقیاتی چیزوں کو قبول کیا جائے گا تو اس کے ساتھ اخلاقی تبدیلیوں کو قبول کرنا ناگزیر ہے۔ آخر وہ کون سی اخلاقی برائی ہے جو قدیم ترقیاتی چیزوں کے ساتھ وابستہ نہ ہو گئی تھی یا اب وابستہ نہیں ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طریقہ سے الٰہی تعلیمات کے ذریعہ ان کو پاک و صاف بنایا تھا وہ طریقہ جدید ترقیاتی چیزوں کو پاک و صاف کرنے کے لیے دلیل راہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے پاس سے "نظام" نہیں لائے تھے (وہ انسانوں کے ہاتھوں وجود میں آتا ہے) بلکہ تعلیمات لائے تھے جن کو موجودہ نظام میں فٹ کر کے اس کو "اسلامی نظام" میں تبدیل کیا تھا۔ اسی طرح جدید دنیا کے جس ترقی یافتہ "نظام" میں خلق خدا کا زیادہ فائدہ نظر آئے اس میں ان تعلیمات کو فٹ کر کے اس کو اسلامی نظام میں تبدیل کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ لوگوں کی کج فہمی ہے کہ انھوں نے اسلام کو سرمایہ داری و جاگیرداری سے متعلق کر رکھا ہے۔ میں اعلان کرتا ہوں کہ اسلام اس سے بری ہے۔

اس زمانہ میں فیصلہ کن حیثیت تعلیم اور معاش کو حاصل ہے اگر ان کی طرف سے ادنیٰ غفلت بھی کی گئی تو پھر زندہ رہنے کے لیے "اجازت نامہ" نہ مل سکے گا۔

۲. جدید زمانہ کی رہنمائی کے لیے بھی دو چیزوں کی شدید ضرورت ہے۔

(۱) اس کی کمزوری سے واقفیت ہو۔

(۲) اپنی بات پیش کرنے کی صلاحیت ہو۔

کمزوری سے واقفیت کا مسئلہ نہایت نازک ہے کیوں کہ یہ ہر شخص کو دکھائی نہیں دیتی اور جو چیزیں دکھائی دیتی ہیں وہ اس قدر چکا چوند کر دینے والی ہیں کہ ان کے ہوتے ہوئے کمزوری پر نظر ڈالنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

ایسی حالت میں جب تک اخلاق و کردار کا معیار۔ جائز و ناجائز کا پیمانہ اور حلال و حرام کی کسوٹی سامنے نہ ہو اور اس پر یقین و اذعان کی کیفیت نہ پیدا ہو اس وقت تک کمزوری نظر نہ آئے گی اس بنا پر سب سے پہلے مرحلے میں "معیار و کسوٹی" پر یقین و اذعان کی کیفیت پیدا ہونا اشد ضروری ہے۔ اگر ایسا نہ ہوا بلکہ ذہن خام اور شعور ناپختہ کے ساتھ اس راہ میں قدم رکھا گیا تو قوی اندیشہ ہے کہ "ناپافت" کے طعنہ سے بچنے کے لیے خود کو کھو آئے جیسا کہ عام طور پر ہو رہا ہے۔

پھر ہر زمانہ کی طرح جدید زمانہ کی بھی خاص زبان، خاص اسلوب اور خاص طرز ادا ہے۔ اسکی رہنمائی کے لیے ان سب سے واقفیت ضروری ہے اگر ان کے بغیر کوئی رہنمائی کا مدعی ہے تو اس کو عام آبادی کے بجائے کسی "جزیرہ" میں اپنا مقام تلاش کرنا چاہیے۔

امت مسلمہ کی صلاحیت میں کمی کے باوجود صورت حال کچھ اس قسم کی ہے کہ اس کو رہنمائی کا فرض انجام دیے بغیر چارہ نہیں ہے۔

.... چنانچہ جدید دنیا اس وقت اپنے موجودہ موقف سے اس قدر مضطرب و پریشان ہے کہ "ان کہی" کہنے پر مجبور ہے۔ لکھنؤ کے قرب و جوار میں "ان کہی" کا موقع استعمال یہ ہے کہ جب کوئی غیر مسلم جان کنی کی حالت میں موت و حیات کی کشمکش سے دوچار ہوتا ہے اور اس کی مصیبت عزیز رشتہ داروں سے دیکھی نہیں جاتی تو وہ مرنے والوں سے کہتے ہیں کہ "ان کہی" کہہ لو۔ یعنی مسلمانوں کا کلمہ (لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ) پڑھ لو تاکہ جان آسانی سے نکل جائے۔

جدید دنیا کی "ان کہی" انسان کے بارے میں اپنی جہالت و بے بسی کا اعتراف ہے چنانچہ DAVID. C. MARSH, نے کہا ہے۔

طبیعات کے متعلق ہمارا علم بہت وسیع ہے اور ہم نے پہلے کے مقابلہ میں فطری طاقتوں کے ایک بڑے حصہ کو اپنے قابو میں کر لیا ہے لیکن اب بھی ہم انسانی معاملات کے بے شمار پہلوؤں سے افسوسناک حد تک لاعلم ہیں۔ ؎۱

جدید دنیا اس اضطراب اور پریشانی کے عالم میں "سراب" کو پانی سمجھ کر نہ معلوم کس کس "ازم" کے پیچھے دوڑ رہی، اور ناکام ہو کر خودکشی کی سوچ رہی ہے۔ اور اب تو سیرابی حاصل کرنے کے لیے مذہب کا چرچا بھی عام ہو رہا ہے اور بات یہاں تک بڑھ چکی ہے کہ مذہب کے اعتراف میں پرانا کافر بھی مسلمان ہو گیا ہے BERTRAND RUSSEL نے ازدواجی زندگی کا تجزیہ کرتے ہوئے کہا ہے۔

"مجھے اس میں شبہ ہے کہ اس کا قطعی علاج مذہب کے علاوہ بھی کوئی ہے جس کے بارے میں خلوص و پختگی کے ساتھ لوگوں کا اعتقاد ہے کہ وہ ایک کیڑے کی زندگی پر بھی حاوی ہے۔" ؎۲

حالانکہ دنیا کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ اس کی سیرابی صرف اس "نشاط انگیز" پانی سے ہو سکتی ہے جو امت مسلمہ کے "امانت خانہ" میں محفوظ ہے۔

عید کا پیغام امت مسلمہ کے نام یہی ہے کہ اس پانی کے ذریعہ خود اپنی اور جدید دنیا کی روح کو "پرنشاط" بنائے۔

؎۱ THE CHANGING SOCIAL STRUCTURE OF ENGLAND P. 263

؎۲ PRINCIPAL OF SOCIAL RECONSTRUCTION, P. 191